خاص برائے الحق

مولانا محمد شہاب الدین ندوی۔ ناظم فرقانیہ اکیڈمی
بنگلور ۔۔۵۷ (جنوبی ہند)

عورت اور آزادانہ سیر و سیاحت

ایک آیت قرآنی پر بحث

لفظ سیاحت و رہبانیت کی تحقیق قرآن، حدیث اور کلام عرب کی روشنی میں

تمہید۔ ابھی چند ماہ پہلے دہلی میں "عورت اور اسلام" کے موضوع پر ایک سیمنار منعقد ہوا جس میں چند اہل علم نے شرکت کی اور اسلام میں عورت کے مقام کے بارے میں مختلف حیثیتوں سے مقالات پڑھے گئے اور مباحثے ہوئے۔ راقم سطور بھی ایک مقالہ نگار کی حیثیت سے اس سیمنار میں شریک رہا۔ چنانچہ اس سیمنار میں بعض مقالے اسلام کی صحیح نمائندگی کرنے والے بھی تھے اور بعض میں تجدد نوازی کا رنگ جھلک رہا تھا۔ اور بعض مقالات انتہائی قابل اعتراض تھے، جن پر مباحثوں کے دوران کافی لے دے بھی ہوئی، انہی قابل اعتراض مقالات میں رامپور کے ایک صاحب کا مقالہ "عورت اور تعلیم" کے موضوع پر تھا۔ جس میں موصوف نے عورتوں اور مردوں کے درمیان کامل مساوات، عورتوں کی بے پردگی، عورتوں کو ہر قسم کا علم حاصل کرنے اور دنیا کی سیر و سیاحت کی آزادی اور ملکی و انتظامی معاملات میں حصہ لینے کے جواز کا دعویٰ کرتے ہوئے بعض قرآنی آیات سے غلط استدلال کیا تھا اور بڑی جسارت و دیدہ دلیری کے ساتھ بعض من مانے دعوے کرتے ہوئے مفسرین و مترجمین قرآن کو خواہ مخواہ مطعون کرنے کی کوشش کی تھی۔

موصوف کے بے بنیاد دعووں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قرآن حکیم میں جہاں پر لفظ السائحون (توبہ : ۱۱۲) اور السائحات (تحریم : ۵) آیا ہے۔ اس سے مراد روزہ رکھنے والے نہیں بلکہ صرف "سیر و سیاحت کرنے والے" مراد ہیں۔ اور جن مترجمین نے اس کا ترجمہ روزہ رکھنے والے کیا ہے۔ وہ معاذاللہ خائن و بددیانت اور آیات الٰہی میں معنوی تحریف کرنے والے ہیں۔ پھر انہوں نے دعویٰ کیا ہے۔ کہ چونکہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی آزادانہ سیر و سیاحت کا حق حاصل ہے۔ اس لئے انہیں آزادانہ تعلیم حاصل کرنے کا حق بھی حاصل ہے۔ بلکہ انہوں نے یہاں تک دعویٰ کر دیا ہے کہ عورت ملکی و سیاسی معاملات میں بھی حصہ لے سکتی ہے اور اس کو گھر کی چہار دیواری کے اندر اپاہج بن کر بیٹھنا قطعی حرام ہے ۔۔۔۔ لہٰذا اس مضمون میں اس دعوے اور مذکورہ

قرآنی الفاظ کی تحقیق مقصود ہے کہ ان الفاظ کا اصل مفہوم کیا ہے، اور کتب لغت و تفاسیر میں اس کے متعلق کیا کہا گیا ہے۔ نیز کلام عرب اور دورِ رسالت میں کن کن معانی میں مستعمل و مروج تھا اور روزہ رکھنے کا مفہوم اس میں کس طرح پیدا ہو گیا۔؟ اس جائزے سے جہاں ایک طرف اس لفظ کی صحیح حقیقت بے غبار ہو کر سامنے آجاتی ہے تو دوسری طرف دین کا ایک تکمیلی پہلو اور دنیا کے سب سے بڑے معلم اخلاق کا ایک اصلاحی کارنامہ بھی سامنے آتا ہے۔

چند بنیادی اصول بحث کا آغاز کرنے سے پہلے چند بنیادی اصول و مبادی کا تذکرہ کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ پہلی بات یہ ہے کہ علمی دنیا اختلاف رائے ایک فطری واقعہ ہے اور یہ حقیقت دینی و دنیوی تمام علوم و فنون میں موجود ہے۔ حتیٰ کہ خالص شرعی و فقہی امور بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ اگر اختلاف رائے نہ ہوتا تو پھر فقہ اسلامی کے وہ مشہور مذاہب بھی وجود میں نہ آتے جن پر قرون اولیٰ سے لے کر آج تک برابر عمل ہو رہا ہے۔ مگر یہ اختلاف رائے قرآن اور حدیث کے واضح دلائل اور دیگر صحیح اصولوں کی بنیاد پر ہے۔ جن پر "علم اصول فقہ" میں بحث کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ فقہی مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) باہم مختلف ہونے کے باوجود ایک دوسرے کو گمراہ اور بد دیانت نہیں سمجھتے۔ کیونکہ یہ اختلافات نفسانی خواہشات کی بنیاد پر نہیں بلکہ ہر ایک کے پاس نظری و عملی حیثیت سے معقول دلائل موجود ہیں۔ یہ دراصل اسلامی شریعت کی وسعت و ہمہ گیری ہے۔ تاکہ وہ اسلام کی عمومیت و عالمگیری کے تقاضوں کی رُو سے تمام جغرافیائی خطہ ہائے ارض کے مطابق ثابت ہو سکیں، جیسا کہ محققین کی رائے ہے۔

اس لحاظ سے مجرد اختلاف رائے کوئی غلط بات یا قابل اعتراض چیز نہیں ہے۔ مگر ہاں جیسا کہ عرض کیا جا چکا اختلاف رائے صحیح اصولوں کی بنیاد پر اور مدلل ہونا چاہئے۔ خصوصاً جب کہ معاملہ دین و شریعت کا بھی ہو۔ کیونکہ ہماری کسی بھی غلط حرکت اور غلط اقدام کا اثر نہ صرف معاشرے پر بُرا پڑتا ہے۔ بلکہ یہ اقدام دین الٰہی کی تحریف اور خلق خدا کو گمراہ کرنے کا بھی باعث ہوتا ہے۔ جو خدا کے نزدیک بہت بڑا گناہ اور باعث عذاب ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اختلاف رائے اور بحث و مباحثہ انتہائی متانت اور شائستگی کے ساتھ ہونا چاہئے۔ کسی پر شخصی حملہ یا سب و شتم کرنا جائز نہیں ہے۔ اس سلسلے میں یہ زریں اصول پیش نظر رہنا چاہئے کہ علمی بنیادوں پر کسی پر تنقید کرنا تو بالکل جائز ہے مگر اس کی تنقیص کرنا جائز نہیں۔ یعنی کسی پر تنقید بالکل علمی ہو شخصی نہ ہو۔ غیر ضروری سب و شتم اہل علم کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ جس علم یا فن پر گفتگو کی جا رہی ہو اس کے مالہ و ماعلیہ یعنی اس کے تمام متعلقات

کا مطالعہ کرلینا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ کسی فن پر گفتگو کرنے سے پہلے اس فن کی تحصیل اور اس کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے قرآن پر گفتگو کرنے سے پہلے قرآن اور عربی زبان کا صحیح علم حاصل کرلینا چاہیے۔ پھر اگر قرآن کے شرعی احکام و اوامر پر گفتگو ہو تو اس کے لئے "اصول فقہ" کا مطالعہ بھی ضروری ہو جاتا ہے جس میں یہ بحث کی جاتی ہے کہ قرآن اور حدیث سے احکام و مسائل کا استنباط کرنے کے اصول و آداب کیا ہیں؟ ان تمام علوم پر حاوی ہونے کے بعد زبان کھولنا چاہئے۔ آخر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ کوئی شخص اگر کسی فن میں مہارت نہیں رکھتا تو پھر اُس فن کے مسائل میں فتویٰ دینے بیٹھ جائے! ایسا تو دنیا کے کسی بھی علم و فن میں نہیں ہوتا تو پھر لوگ کتاب اللہ ہی پر کیوں اپنی طبع آزمائی کرتے ہیں؟ کیا اللہ کا کلام اتنا سستا ہو گیا ہے کہ اس کے بارے میں گفتگو کرنے کے لئے کسی بھی علم کی تحصیل یا کسی بھی فن میں مہارت کی کوئی ضرورت نہیں ہے؟ کیا کوئی شخص ڈاکٹری یا علم طب کی تحصیل کے بغیر ڈاکٹری کر سکتا ہے؟ نیز کیا کوئی شخص علم سائنس حاصل کئے بغیر مسائل سائنس پر بحث کرنے اور ان میں رائے دینے کا مجاز ہو سکتا ہے؟ وقس علی ذالک۔

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ جس علم و فن پر گفتگو کی جائے پہلے اس کا صحیح علم حاصل کر لیا جائے۔ خصوصاً کتاب اللہ میں کسی قسم کا توڑ مروڑ یا غلط استنباط بالکل جائز نہیں ہے۔ ورنہ بصورت دیگر وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ جیسا کہ مشہور مقولہ ہے: "نیم حکیم خطرۂ جان، نیم مُلا خطرۂ ایمان۔" چنانچہ ایک حدیث میں بغیر علم صحیح کے محض اپنی رائے کی بنیاد پر کتاب اللہ کی تفسیر کرنے کی سخت وعید آئی ہے:

من قال فی القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار: جس نے قرآن میں (بغیر علم کے) اپنی رائے سے کچھ کہا تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے[1]۔ ایک دوسری حدیث میں "برأیہ" کی جگہ پر "بغیر علم" بھی آیا ہے[2]۔

چوتھی بات یہ ہے کہ علم ایک مقدس امانت ہے، اس میں کسی قسم کا دھوکا اور مکر و فریب نہ ہونا چاہئے کیونکہ عالم کی تعریف ایک حدیث میں یہ بتائی گئی ہے کہ وہ دنیا میں اللہ کا امین ہوتا ہے[3]۔ اسی طرح علم میں کسی دنیوی غرض کی خاطر کسی قسم کی تلبیس و تحریف بھی نہ ہونی چاہئے۔ ورنہ وہ نہ صرف علم کے ساتھ بلکہ پوری قوم و ملت کے ساتھ بھی خیانت و بدخواہی ہوگی جس کی کسی ایماندار آدمی سے توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس قسم کی بدعہدیاں

---

[1]، [2] جامع ترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برأیہ، ج ۴ ص ۲۶۸ مطبوعہ بیروت۔

[3] العالم أمین اللہ فی الارض۔ (کنز العمال: ۱۰/ ۷۷، طبع ثانی، ۱۳۸۲ھ

یہود و نصاریٰ کا شیوہ تھیں ۔ کیونکہ وہ دنیوی اغراض و مقاصد کی خاطر اللہ کے بعض احکام چھپا دیتے تھے ، اور آیات الٰہی میں تلبیس و تحریف سے کام لیتے تھے ۔ چنانچہ اس قسم کی کسی بھی تلبیس و تحریف کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت وعید سناتے ہوئے فرمایا گیا :

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ : یقیناً وہ لوگ جو ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو چھپا دیتے ہیں جن کو ہم نے اتارا ہے ، اس کے بعد بھی کہ ہم نے ان باتوں کو لوگوں کے لئے (اپنی اس) کتاب میں وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے ۔ تو یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے ۔ اور (دوسرے) لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں ۔ (البقرہ : ۱۵۹)

اور دوسری جگہ کہا گیا ہے :

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۔ یقیناً جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے عوض میں تھوڑا سا مول لیتے ہیں ۔ تو یہ لوگ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھرتے ہیں ، اللہ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا ۔ اور نہ ان کو پاک کرے گا ۔ (بلکہ) ان کے لئے دردناک قسم کا عذاب ہوگا ۔ (البقرہ : ۱۷۴)

اسی بناء پر حدیث میں کہا گیا ہے :

انما أخاف على امتى الأئمة المضلين : میں اپنی امت کے بارے میں صرف گمراہ قسم کے قائدین سے ڈرتا ہوں [۴]

ایک دوسری حدیث میں بیان کیا گیا ہے :

شرار الناس شرار العلماء فی الناس : بدترین لوگ بدترین علماء ہیں [۵]

---

[۴] ابوداؤد ، کتاب الفتن ، حدیث نمبر ۴۲۵۲ ، ج ۴ ص ۴۵۱ ، مطبوعہ حمص ، نیز ترمذی ، ابواب الفتن ، باب ما جاء فی ائمۃ المضلین ، ۳۴۲/۳ ، نیز سنن دارمی ، مقدمہ ، باب ۲۳ ، ۷۰/۱ ، نیز مسند احمد ۲۷۸/۵ ، بیروت ۔

[۵] کنزل العمال : ۱۱۰/۱۰ ، مطبوعہ حیدرآباد ۔

زیر بحث مسئلہ | اس تمہید کے بعد اصل مسئلہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کی تعریف کرتے ہوئے جو اس کی راہ میں جدوجہد کرتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں، ان کی چند صفات اس طرح گنائی ہیں:

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ : بیشک (مومن مجاہد وہ لوگ ہیں جو) توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، شکر بجالانے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، اچھے کاموں کا حکم کرنے والے، بُری باتوں سے روکنے والے ہیں۔ اور ایسے ایمان والوں کو خوشخبری سنا دو۔ (توبہ : ۱۱۲)

اس آیت کریمہ سے ما قبل فرمایا گیا ہے۔: اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی جانوں کو جنّت کے عوض میں خرید لیا ہے۔ جو اس کی راہ میں لڑتے ہیں اور شہید ہو جاتے ہیں۔ یہ تورات، انجیل اور قرآن میں سچّا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا ضروری ہے، اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے۔ سو جو سودا تم نے کیا ہے اس سے خوش رہو، اور یہ بڑی کامیابی ہے۔" (توبہ : ۱۱۱)

ان دونوں آیتوں کا ماحصل یہ ہے کہ اہل ایمان کی پوری زندگی ایمان کے تقاضے کے مطابق احکام الٰہی کے تابع ہوتی ہے۔ جب وہ اللہ کی راہ میں جدوجہد کرتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں تو سیدھے جنّت میں چلے جاتے ہیں۔ اور اگر زندہ رہتے ہیں تو اُن کی زندگی اُن صفات کے مطابق ہوتی ہے۔ جو اوپر گنائے گئے ہیں —— اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی سے متعلق ایک آیت کریمہ آئی ہے جس میں ازواجِ مطہرات کو مخاطب کرتے ہوئے نیک سیرت بیویوں کی تعریف و توصیف اس طرح کی گئی ہے:

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۔ اگر نبی تمہیں طلاق دیدے تو بہت جلد اس کا رب اس کے بدلے میں تم سے اچھی بیویاں عطا کرے گا۔ جو اطاعت گذار، ایمان والیاں، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ دار، بیوائیں اور کنواریاں ہوں گی۔ (تحریم : ۵)

اس آیت کریمہ کا ماحصل جیسا کہ اس کے سیاق و سباق نیز کتب تفسیر و حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے ایک خانگی واقع کی بنا پر جس میں بعض ازواج کے درمیان رشک و رقابت کا معاملہ پیدا ہو گیا تھا، بعض ازواج مطہرات کے اس خیال کی تردید کی گئی ہے۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں طلاق دے دی تو آپ کو ہم سے بہتر بیویاں نہیں ملیں گی۔

اس حیثیت سے یہ آیت کریمہ نہ صرف ازواج مطہرات کو نیک سیرتی پہ ابھار رہی ہیں۔ بلکہ ایک آئیڈیل مسلم عورت کی توصیف بھی کر رہی ہیں کہ ایک صحیح اور سچی اللہ کی بندی کی صفات کیا ہونی چاہئیں اور اسکی زندگی کیونکر گزرنی چاہیئے۔

اس طرح سورۂ توبہ اور سورۂ تحریم کی ان آیات میں فرمانبردار مردوں اور فرمانبردار عورتوں کا تذکرہ بطور ایک مثالی نمونہ اور آئیڈیل ہے۔ اب ان دونوں آیتوں میں موضوع بحث الفاظ السائحون اور السائحات ہے۔ مفسرین کے نزدیک ان دونوں الفاظ کے اصل معنی روزہ رکھنے والوں کے ہیں۔ جیسا کہ اوپر ترجمہ کیا گیا ہے۔ مگر اس کے دیگر ثانوی معنی بھی آتے ہیں، جیسا کہ تفصیلی بحث اگلے صفحات میں آئے گی۔

اب دیکھئے مضمون نگار نے ان دونوں آیات کے متعلق ایک غلط اور بے سر و پا دعویٰ کر کے ان آیات کے اصل مفہوم کو بگاڑنے اور محض اپنی ذہنی اُپج کے ذریعے بعض نئے خیالات سے ان کو ہم آہنگ کرنے کی کس طرح کوشش کی ہے۔! چنانچہ مضمون نگار کا دعویٰ یہ ہے کہ السائحون کے معنی صرف "سیر و سیاحت کرنے والوں" کے ہیں۔ اور اردو کے جن مترجمین نے اس کا ترجمہ "روزہ رکھنے والے کیا ہے۔ وہ کتاب اللہ میں تحریف کرنے والے اور بے بنیاد نظریات قائم کر کے دیدہ و دانستہ معنی بدلنے والے ہیں۔ ان کی نظر میں مولانا ابو الکلام آزاد ہی وہ واحد مترجم ہیں جنہوں نے اس سلسلے میں دیانتداری کا مظاہرہ کیا ہے۔ (تفصیل آگے آئے گی۔) پھر اس کے بعد یہ فتویٰ لگا دیا ہے کہ "سائحات" سے مراد چونکہ سیر و سیاحت کرنے والی عورتیں ہی ہیں، اس لئے عورتوں کو بھی مردوں ہی کی طرح سیر و سیاحت کرنے اور آزادانہ تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔

یہ مضمون نگار کی محض ایک ذہنی اُپج ہے کہ اول تو اس سے ایک ایسا حکم نکال رہے ہیں۔ جو صحیح تفسیر و روایات کے تحت ثابت نہیں ہوتا۔ اور پھر اس کو ایک دوسرے معاملے سے متعلق بھی کر رہے ہیں۔ یعنی آزادانہ حصول تعلیم، جس کا نہ تو ان آیات سے کسی قسم کا تعلق ہے۔ اور نہ کوئی جوڑ۔

پھر فرماتے ہیں کہ "آپ عربی کی تمام لغات چھان ماریئے آپ کو سیاحت کے معنی روزہ رکھنا نہ ملے گا"

بہت خوب! اس کو کہتے ہیں : چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔

ان الفاظ کی لغوی تحقیق تو ابھی آپ کے سامنے آئے گی اور ڈھول کا پول کھل جائے گا۔ لیکن پہلے آپ مذکورہ بالا آیات میں معنوی اعتبار سے غور کیجئے کہ موصوف نے جو مفہوم بیان کیا ہے۔ اور اس سے جو نتیجہ نکالا ہے وہ خود ان آیات پہ کہاں تک چسپاں ہو سکتا ہے۔؟ اور راقم سطور نے آیات بالا کی جو تشریح و تفسیر اُن کے سیاق و سباق کے تحت کی ہے، کیا اسکی روشنی میں اس قسم کا کوئی نتیجہ نکل بھی سکتا ہے۔؟ کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اس طرح آزادانہ سیر و سیاحت کرنے اور آزادانہ تعلیم حاصل

کرنے کی اجازت دی گئی تھی ۔؟ کیا انہوں نے یا ان میں سے کسی ایک نے بھی اس طرح کی کوئی مثال قائم کی ہے ۔؟ کیا حدیث، سیر اور تاریخ کی کتابیں اس قسم کی کوئی مثال پیش کر سکتی ہیں؟ ذرا غور فرمائیے یہاں پر تذکرہ عام مسلمان عورتوں کا نہیں بلکہ صرف ازواج مطہرات کا ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس آیت کریمہ سے عام مسلمان عورتوں کے لئے ایسا مخصوص حکم ثابت کرنا جس کا کوئی نمونہ یا عملی مثال ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے نہ پیش کیا ہو ایک غلط اصول ہے۔ اس حیثیت سے ازواج مطہرات کی زندگیاں ہی مسلمان عورتوں کے لئے مشعل ہدایت ہیں، نہ کہ ان کی مبارک سیرتوں سے انحراف کر کے آزاد روی اور آزادانہ میل جول اختیار کرنا۔ (واضح رہے کہ مضمون نگار مسلمان عورت کے لئے کسی بھی قسم کے پردے کے قائل نہیں ہیں۔)

واضح رہے کہ راقم سطور عورتوں کی تعلیم کا مخالف نہیں ہے بلکہ عورتوں کو اسلامی ضوابط اخلاق کی پابندی کرتے ہوئے تعلیم حاصل کرنا جائز و مباح ہے خصوصاً دینی تعلیم۔ جیسا کہ ازواج مطہرات کی سیرتیں اس باب میں بھی ہماری رہنمائی و رہبری کے لئے کافی و شافی ہیں۔ خصوصاً سیرت حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ۔ چنانچہ آپ عورتوں میں اپنے دور کی سب سے بڑی عالمہ اور فقیہہ تھیں، حتیٰ کہ بڑے بڑے صحابہؓ تک آپ سے فتویٰ طلب کرتے تھے چنانچہ صحاح ستہ وغیرہ میں آپ سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں، جن پر دین و شریعت کا بہت بڑا مدار ہے۔ اور "بعض لوگوں کا قول ہے کہ احکام شرعیہ میں سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہے"[6]

اس طرح سورۂ توبہ کی آیات میں جہاں پر مومنین و مجاہدین کی صفات بیان کرتے ہوئے جس طرح ان کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔ اس میں بھی آزادانہ سیر و سیاحت یا تفریح وغیرہ کا کوئی موقع محل نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس موقع پر کسی قسم کی تفریح یا سیر سپاٹے کی تعریف نہیں کی جا رہی ہے۔ اگرچہ تفریح کرنا یا سیر و سیاحت کرنا کوئی ناجائز فعل یا قابل مذمت حرکت نہیں ہے۔ مگر اس کو اس آیت کریمہ کے ذیل میں نہیں لایا جا سکتا۔

ائمہ لغت کی تحقیق اب آئیے ان دونوں الفاظ (سائحون اور سائحات) کے بارے میں سب سے پہلے مستند ائمہ لغت کی تحقیق کو دیکھیں کہ وہ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ چنانچہ "لسان العرب" عربی زبان کی سب سے بڑی اور سب سے مفصل لغت ہے۔ اس کے مؤلف علامہ ابن منظور تحریر فرماتے ہیں:

"لفظ "سَیح"[7] کے اصل معنی بہنے والے پانی کے ہیں۔ (السیح: الماء الظاهر الجاری علی وجه الأرض۔) اور "ماءٌ سَیحٌ" بہتے ہوئے پانی کو کہتے ہیں۔"

---

[6] سیر الصحابیات، از مولانا سعید انصاری، ص ۳۰، طبع پنجم، ۱۹۷۲ء

[7] اسی سے سائحون اور سائحات مشتق ہے۔ عربی زبان کے قواعد کے مطابق ان سب کا اصل مادہ (ROOT) "س ی ح" ہے۔

اسی سے لفظ سیاحت بھی ہے، جس کے معنی عبادت و ریاضت کی خاطر زمین میں چلنے کے ہیں ــــ (والسیاحۃ الذھاب فی الأرض للعبادۃ والترھب)۔ اور مطلق چلنے کو بھی سیاحت کہا جاتا ہے۔ (وساح فی الأرض یسیح سیاحۃً أی ذھب) ؂

دیکھئے یہاں پر سیاحت کے اوّلین معنی عبادت و ریاضت کی خاطر زمین میں نقل و حرکت کے قرار دئے گئے ہیں جو اردو والوں کے لئے شاید ایک بالکل ہی نیا اور چونکا دینے والا مفہوم ہے۔ اور پھر یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ موصوف نے اس مفہوم کو مطلق چلنے پر مقدم رکھا ہے۔

اب آیئے سائحون اور سائحات کی طرف تو اس سلسلے میں صاحب لسان العرب مشہور ائمہ لغت و نحو کے اقوال سے استدلال کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ "سیاحت" کے معنی روزہ رکھنے کے بھی ہیں:

وقولہ تعالیٰ: الحامدون السائحون، وقال تعالیٰ: سائحات ثیبات وأبکاراً، السائحون والسائحات: الصائمون۔ قال الزجّاج: السائحون فی قول أھل التفسیر و اللغۃ جمیعاً الصائمون۔

یعنی سائحون اور سائحات سے مراد ہیں روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں۔ زجاج نے کہا ہے کہ تمام اہل لغت اور تفسیر کے نزدیک اس سے مراد روزہ رکھنے والے ہیں۔

ملاحظہ فرمائیے زجّاج کوئی ملّا یا مولوی نہیں بلکہ لغت و نحو کے مشہور امام ہیں جو بصرے میں چوتھی صدی ہجری میں گزرے ہیں۔

پھر صاحب لسان تحریر کرتے ہیں: ومذھب الحسن أنھم یصومون الفرض: اور حسن البصری کے مسلک کے مطابق یہ وہ لوگ ہیں جو فرض روزے رکھتے ہیں۔

وقیل انھم الذین یدیمون الصیام۔ وھو مما فی الکتب الاول: اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں۔ اور یہ حقیقت اگلی کتابوں کے مطابق ہے۔

(باقی آئندہ)

؂ لسان العرب، ۴۹۲/۲، طبع جدید، دار صادر بیروت۔